

Downloaded From  
Paksociety.com



ناولٹ

## ایک فراموشی لغزش ہے

نور حسین ظفر

”رویجہ اب آرہی ہو..... یہ ٹائم ہے آنے کا۔“ راحیلہ بیگم نے بیٹی کی شکل دیکھتے ہی دہی آواز میں برہمی ظاہر کر دی۔  
”امی، ارسل کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آنے سے پہلے بہت رو رہا تھا۔“ وہ جو عبایا اتار کر اسکارف کی پن کھول رہی تھی۔ ایک لمحے کور کی۔  
”کیوں اب اسے کیا ہوا؟“ انہیں مزید کوفت نے گھیرا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM  
ماہنامہ پاکیزہ 205 دسمبر 2016ء



”ہونا کیا ہے، وہی معمولی نزلہ، زکام..... مگر بچے چڑچڑے ہوئی جاتے ہیں۔“ اس نے بات کرتے ہوئے امی کے پیچھے نظر آتے چہرے کو دیکھا اور مسکرائی۔

”اچھا اب جلدی سے چلو.....ماموں سے ملو.....کب سے سب لوگ تمہارا پوچھ رہے ہیں۔“  
راجیلہ بیگم کے بھائی کے نئے گھر کی خوشی میں تقریب تھی۔ تقریباً تمام خاندان ہی جمع تھا۔ دونوں ماموں، چچا، تایا کی فیملیز.....وہ بھی ریں، ریں کرتے ارسل کو گود میں اٹھائے خوش دلی سے سب سے ملتی رہی۔  
ارسل سے بڑی اہبہ اس کی قمیص کا دامن پکڑے خاموش ساتھ، ساتھ تھی۔

”امی، زونا کہاں ہے نظر نہیں آ رہی؟“ سب سے ملنے کے بعد ایک طرف سکون سے بیٹھ کر اسے اپنی بہن کا خیال آیا۔

”اوپر ہے، کچھ دیر پہلے گئی تھی مارہ کے ساتھ۔“  
 ”اوپر؟ سب لوگ تو یہاں ہیں، وہ اوپر کیا  
 کرنے گئی ہے۔“

”گھر دکھانے لے گئی تھی مائرہ، مگھوم پھر رہی ہوگی۔“ راحیلہ بے پروائی سے بول کر اس کا جائزہ لینے لگیں۔ انہیں مستقل رویجہ کی گود میں چڑھے ارسل سے بھی چڑھور ہی تھی۔ رویجہ جو ماموں کے گھر کی تعریف کرنے والی تھی۔ ان کے اس طرح دیکھنے سے ایک دم جزبزی ہوگئی۔ اسے اپنی ماں کی ان تنقیدی نگاہوں سے ہمیشہ خوف سا آتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیشہ کی طرح اسے کسی بات پر ٹوکتیں اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا۔

”میں زونا اور مارہ سے مل کر آتی ہوں۔“  
 ”اوہو..... دو گھڑی ماں کے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔“ وہ واپس بیٹھ گئی جانتی تھی کہ امی اس کی محبت میں مجبور ہو کر نہیں بلکہ اپنے جس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے بٹھا رہی ہیں۔

”سہ بتاؤ لے کے کیا آئی ہو؟“ سب لوگ خوش  
گپیوں میں مگن تھے۔ اس نے محفل پر ایک طائرانہ نگاہ

ماہنامہ پاکیزہ 206 ستمبر 2016ء

ڈال کر سانس بھری۔  
 ”ٹی سیٹ ہے ایک..... اور.....“ وہ جھجک سی گئی۔  
 ..... ”مامی کے لیے ایک رسٹ وایج ہے۔“  
 ”اور.....“ امی اب بھی منتظر تھیں۔

”اور کیا..... کچھ اور بھی لینا تھا کیا؟“ اس نے ڈرتے، ڈرتے راجیلہ بیگم پر نظر ڈالی۔

”لو بھول گئیں، میں نے کہا تھا ناں کہ گولڈ کا لاکٹ یا بریسلٹ لے لینا۔ وہی کیا ناں، یہ فضول چیزیں اٹھا کر لے آئیں، جس کی کوئی اوقات نہیں۔ کیا ٹھہریں گے ماموں کی نظر میں یہ ٹی سیٹ اور وہ معمولی گھڑی..... ہونہہ۔“

”اوقات تو ان سے پوچھیں ناں.....جن کے پاس یہ بھی نہیں۔“ وہ آواز دبا کر بددائی۔

”جن کو ان معمولی چیزوں سے فرق نہیں پڑتا انہیں بھلا گولڈ کے بوند برابر لاکٹ سے کیا فرق پڑ جاتا ہے۔“ وہ صرف سوچ رہی تھی۔ یہ بات امی سے بولنے کا ریسک لے لیتی ابھی وہ اتنی عقل سے پیدل نہیں ہوئی تھی۔

راحیلہ بیگم کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار نظر آرہے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ ایک بار پھر اس پر بڑھائی کرتیں۔ صدف ماما ان کے نزدیک آگئیں۔

”آئیں راحیلہ آپا، کھانا لگ گیا ہے۔ آؤ دیکھ تم بھی۔“ وہ فوراً سے بیستر اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ اس کی نظروں کا سامنا کرنا مشکل ہوا چارہا تھا۔

”یہ سامنے جو بیڈ روم ہے، میں بچوں کو لے کر  
ہاں جا رہی ہوں، اکیلے میں ذرا ایزی ہو کر کھلا  
وں گی۔“ وہ جلدی، جلدی بول کرامی کے جواب سے  
پہلے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

کھانے کا دور ختم ہوا۔ زیادہ تر لوگ واپسی کے لیے  
 بوتلے صدف مامی سے اجازت طلب کر رہے تھے۔ اس  
 نے گود میں لیٹے ارسل کو تھپکتے ہوئے کمرے کے کھلے  
 دروازے سے راحیلہ بیگم کو دیکھا جو صدف مامی سے ہنس،



## اک ذرا سی لغزش سے

ہی صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ لوگ وہاں باتیں کرنے نہیں بیٹھے تھے۔

زونیرہ کی نظر رویحہ پر پڑنے کی دیر تھی کہ وہ اسپرنگ کی طرح بیڈ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”روی تم..... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ زونا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

وہ کچھ دیر ملاستی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ شہریار جو اٹھ کر بے پروائی سے اپنے سیل سے کھیل رہا تھا رویحہ اس پر ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر سیڑھیاں اتر گئی۔ اس نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ زونیرہ اس کے پیچھے آرہی ہے یا نہیں۔

☆☆☆

رویحہ اور زونیرہ، احتشام صدیقی کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ان سے بڑا ایک بیٹا راہیل تھا۔ راہیلہ بیگم نے اپنے تینوں بچوں کی تربیت اس انداز میں کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہر لحاظ سے اپر کلاس کا پرتو نظر آئیں۔ فیشن اسٹیل، ماڈرن اور ساتھ ہی ساتھ ویل ایجوکیٹڈ اور ویل مینرڈ بھی۔

اپنے بیٹے راہیل اور زونیرہ تک تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھیں۔ راہیل ان کی خواہش کے عین مطابق لندن سے ڈگری لے کر لوٹ آیا تھا اور وہ بھی کسی گوری میم کے اضافے کے بغیر..... اور زونیرہ بھی ان ہی کی خواہش پر ماسٹرز کے بعد فیشن ڈیزائننگ سیکھ رہی تھی۔

ان کے یہ دونوں بچے، فیشن، امارت اور ماڈرن ازم کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ راہیلہ بیگم کی فیملی کا شمار بہت اچھے کھاتے، پیتے گھرانوں میں ہوتا تھا۔ راہیل اپنے والد احتشام صدیقی کے ساتھ مل کر کاروبار کو دن رات چوگنی ترتی دے رہا تھا۔

زونیرہ ہر فیشن کو اپنانے اور نئے طریقوں کے پہناوے ایجاد کرنے میں سب سے آگے تھی۔ سب سے پہلے ہر عجیب و غریب ڈیزائن کا اطلاق خود کرتی پھر اسے اپنے بوتیک کی زینت بنا دیتی۔ جسے

ماہنامہ پنکھیزہ 207 دسمبر 2016ء

ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ اسے حیرت سی ہوئی۔

راہیلہ اپنی نندوں اور بھانجوں سے وہی روایتی چپقلش رکھتی تھیں۔ جو سرالی رشتوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کم از کم اس کا اپنا یہی خیال تھا۔ کیونکہ وہ اپنے سرالی رشتوں میں جان بوجھ کر دراڑیں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

جیسی وہ خود صاف شفاف ذہن و دل کی مالک تھی۔ ویسے ہی اپنی ماں اور بہن کو بھی سمجھتی تھی۔ یہی اس کی سادگی بھی تھی اور یہی اس کی غلطی بھی۔ نہ تو اس کی امی راہیلہ بیگم اتنی صاف نیت اور ستھرا مزاج رکھتی تھیں، نہ بہن.....

”زونیرہ نظر ہی نہیں آئی۔“ اسے اپنی بہن کا خیال آیا۔ اسے دعوت میں آئے ڈیڑھ گھنٹا ہو چکا تھا۔ دعوت بھی قریب الختم تھی اور زونیرہ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ ”کمال ہے، اتنی بے خبری اور لاتعلقی۔“ اسے امی کی بے خبری پر غصہ آیا۔ گو میں سوتے ہوئے ارسل کو بیڈ پر لٹا کر بیٹی کو اس کا خیال رکھنے کو کہا اور خود زونیرہ کی تلاش میں نکلی..... راہیلہ بیگم کو اس نے خود نہیں بتایا تھا۔ ورنہ وہ پھر اسے پکڑ لیتیں، یوں بھی اس نے ابھی تک ماموں کا گھر ہی نہیں دیکھا تھا۔ جس کی خوشی میں یہ دعوت ہوئی تھی۔ وہ گھر کی سجاوٹ اور بناوٹ دیکھتی اوپر چلی آئی۔

اوپر والے حصے میں سامنے والے کمرے کا دروازہ غالباً بند تھا۔ باقی پورشن میں زونیرہ اور مارہ کہیں نہیں تھیں۔ اسے یوں بلا اجازت کسی کے بیڈ روم میں گھسنے میں جھجک سی محسوس ہوئی۔ جیسی اندر سے زونا کی دلی، دلی ہنسی کی آواز آئی۔ زونا یقیناً اندر تھی وہ نزدیک گئی تو دروازے کو ایک جھری کھلا پایا۔

اس نے زونیرہ کی آواز سن کر دروازے کو دھکیلا تو وہ پورا کھلتا چلا گیا۔ نیت تو اس کی بہن سے مل کر خوش ہونے کی ہی تھی مگر وہ خوش ہونے کے بجائے شاکدہ گئی۔ کمرے میں زونا کے ساتھ مارہ نہیں شہریار تھا اور وہ لوگ جس انداز میں بیٹھے تھے انہیں ایک نظر دیکھ کر



تک خود کوئی مصنوعی تکلف نہیں کیا تھا۔

”میں تو خود چاہتی ہوں کہ آپ پاپا سے بات کریں۔ مجھے سائنس نہیں پڑھنی۔ آرٹس پڑھنی ہے“

”کیا بکواس کر رہی ہو، بچوں کی طرح ڈرائنگ اور کلرنگ کرو گی تم۔ ارے اپنے بہن، بھائی سے ہی کوئی سبق سیکھ لو۔ ہر کلاس میں اے پلس لے رہی ہے، زونا اور تم.....؟“ ان کا لیکچر لمبا چلتا تھا۔ وہ بے بسی سے سننے پر مجبور تھی۔

☆☆☆

راحیلہ بیگم نے اس کے لاکھ منع کرنے پر بھی اسے احتشام صاحب کی سفارش اور رشوت کے بل بوتے پر شہر کے بہترین کالج میں داخلہ دلوایا۔ مگر سائنس فیکلٹی میں پری میڈیکل مضامین کے ساتھ وہ اداس نظروں سے اسٹیج تک پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔

”بے بی، وٹس اپ۔“ زونا کی آواز نے اسے مایوس کن سوچوں سے چونکا دیا۔

”اتنا اسٹریس کیوں لے رہی ہو یار..... میرے ساتھ کوچنگ جوائن کر لو۔ جم جایا کرو ایوری تھنگ ول بی آل رائٹ یار..... کم آن، کیپ اٹ اپ۔“ اس نے مڑ کر آئینے میں خود کو گھوم، گھوم کر دیکھتی زونا کو بچھے دل سے دیکھا۔

”میں کیسے بتاؤں امی کو۔ میرا دل ان کتابوں میں نہیں لگتا۔“ اس نے زونا پر سے نظریں ہٹائیں، جس نے بے حد مختصر آستینوں والا ٹاپ پہن رکھا تھا اور اس کے اوپر اور بھی مختصر اسکارف کو یوں اسٹائل سے پن اپ کر رہی تھی کہ وہ داہنے کندھے سے نیچے ڈھلکا ہوا تھا۔ کندھے سے جڑی چھوٹی سی آستین اور اسکارف کے درمیان سے اس کا دو دھیا بازو جھانک رہا تھا۔ جبکہ بائیں بازو کو ڈھانپنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

”ویل اٹس ناٹ مائی ہیڈک.....“ (یہ میرا درجہ سر نہیں ہے) چست جینز میں اس کی سڈول ٹانگیں

وقت گزاری کے لیے محض راحیلہ بیگم کی خواہش پر مگر ہی کے ایک پورشن میں احتشام صاحب نے بنوا کر دیا تھا۔ مگر رویجہ..... یہاں آکر راحیلہ بیگم کے تمام خواب، آرزوئیں اور ارمان اپنی موت آپ کئی سال پہلے ہی مر چکے تھے۔ جب اس کی دو سال لگا تار نویں اور دسویں کلاس میں پہلی آگئی۔

”امی مجھے آرٹس لینی ہے، مجھ سے نہیں رٹے جاتے یہ کیمسٹری اور فزکس کے مشکل فارمولے۔“ لاؤنج میں اخبار کو گھورتی غم والہ کی تصویر بنی راحیلہ بیگم کے لیے یہ بات کتنی شرمندگی کا باعث بن سکتی تھی۔ اس حقیقت سے بے خبر اس نے ٹھنک کر فرمائش کر دی۔

”کیا..... کیا کہا تم نے..... آرٹس پڑھو گی تم؟“ ان کا دل ایک نئے صدمے سے دوچار ہو گیا۔ ”تمہیں پتا ہے کہ آرٹس کون لوگ پڑھتے ہیں، جن کو کچھ پڑھنا لکھنا نہیں آتا، جو مارے باندھے مجبوری میں تعلیم مکمل کرنا چاہتے ہیں، وہ پڑھتے ہیں آرٹس۔“

”کیا ہو گیا ہے امی آپ کو۔ اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔“ وہ بے حد اکتائی ہوئی تھی۔

”ایسی ہی بات ہے۔“ وہ غصے میں چلائیں۔

”آنے دو اپنے پاپا اور اس ٹیوٹر کو..... جسے ہر مہینے ہزاروں روپے تمہاری ٹیوشنز کے لیے دے رہی ہوں، آخر کس حساب میں بھی۔ یہاں تو وہی رزلٹ ہے، ایک پرسنٹ بھی زیادہ مارکس نہیں لیے تم نے اور کیمسٹری کلیئر ہے تو میتھس..... اومائی گاڈ۔“ انہیں اپنا بلند پریشر بڑھتا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر صوفے پر گر سی گئیں۔

”امی.....“ اس نے بیچاریگی سے دہائی دی۔

انہوں نے دانت کچکا کر اسے دیکھا۔ انہیں یوں گنواروں کی طرح ”امی“ بلائے جانے سے بھی چڑھی۔ وہ چاہتی تھیں رویجہ انہیں زونا اور راحیلہ کی طرح ممایا ماما کہہ کر بلائے مگر آگے بھی رویجہ تھی۔ جسے وہ خود تو اپنی مرضی سے روی کہہ لیتی تھیں مگر اس نے آج



## اک ذرا سی لغزش سے

”اوہ ماما..... اے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔“ راحیلہ سے بس یہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے اس کے حال پر ہی تو نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ آخر کو وہ بھی ان کی اپنی اولاد تھی۔

ایسے ہی دنوں میں جب وہ انٹر میں بھی فیل ہو چکی تھی اور سہلی آ جانے والا پچھرا دوبارہ دینے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ اس کی زندگی بلکہ یوں کہیں کہ راحیلہ بیگم کی زندگی میں اچانک ہی ٹوٹ آ گیا۔

ان کی کسی جاننے والی کے توسط سے رویجہ کے لیے اسفند یار کا پروپوزل آ گیا۔ گو کہ وہ لڑکیوں کو اتنی جلد بیاہنے کے حق میں نہیں تھیں مگر رویجہ کو بٹھاتی بھی تو کس آس اس نے تو انہیں مکمل طور پر مایوس کر دیا تھا۔ پڑھائی میں تو وہ تھی ہی صفر..... مگر انہوں نے اپنی ایک دوست کے مشورے پر جب اسے بیویشن کا کورس کروانا چاہا تو وہ ٹریننگ سینٹر جا کر بیویشن کے بجائے کوئنگ اور بیکنگ کی کلاسز لینے لگی۔

انہیں تو کورس کپیٹ ہونے سے پہلے پتا ہی نہیں چلتا اگر جو اچانک ان کے پاس اس بیویشن کا فون نہ آ جاتا۔ جس سے وہ روی کے ایڈمیشن کی بات کر کے آئی تھیں۔ وہ شہر کی جانی مانی بیوٹی ایکسپریٹ تھی اور بہت مشکل سے روی کے ایڈمیشن کے لیے مانی تھی کیونکہ ایڈمیشن کی ڈس نکل چکی تھیں۔ راحیلہ کو جب اس کی اس حرکت کا پتا چلا تو انہوں نے سر پیٹ لیا۔

”میں پوچھتی ہوں تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟“

”امی جب میں خود اپنے ہی فیس پر کچھ نہیں لگاتی، نہ میں میک اپ کرتی ہوں نہ کوئی ہینر کرٹ لیتی ہوں تو میں یہ سب کچھ سیکھ کر کیا کروں گی۔“

”آف..... میں ہی غلطی پر تھی۔ میں نے سوچا تھا تمہیں ڈرائنگ اور کلرنگ پسند ہے تو میک اپ بھی پسند ہوگا۔ اور تم جب کورس کر لو گی تو آٹو میٹکلی اس پروفیشن میں آنے کے بعد خود ہی ذرا ڈھنگ سیکھ لو گی کہ پروفیشن کو کیسے گروم کیا جاتا ہے فکر کو کیسے مینشن کرتے ہیں مگر تم.....“

بہت نمایاں ہو رہی تھیں۔ وہ بے پروائی سے کندھے اچکا کر اپنے سلی براؤن بال جھلائی اپنی بکس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

”کوئی میرا مسئلہ کیوں نہیں سمجھتا۔“ اس نے۔۔۔

بے دلی سے اس کیج بک اٹھا کر دور پھینکی۔

☆☆☆

رویجہ پڑھائی میں کمزور ضرور تھی مگر کند ذہن نہیں تھی۔ اس کا دل جن چیزوں میں لگتا، وہ راحیلہ بیگم کے نزدیک بیکار اور فضولیات تھیں۔ ڈرائنگ، پینٹنگ، اور اسکیچنگ.....

”اوہ..... ربش.....“

وہ بچپن میں رویجہ کو ڈاکٹر بنانے کا خواب دیکھا کرتی تھیں۔ مگر بڑے ہوتے، ہوتے جب رویجہ کی تعلیمی کارکردگی سامنے آئی تو یہ خواب نیند والا خواب بن کر رہ گیا۔ جو آنکھ کھلنے پر یاد ہی نہیں آتا اور آنکھ کھلتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ انہیں لگتا روی عزت سے گریجویشن کر لے یہی کافی ہے مگر انہیں اس سے صرف یہی شکایتیں تو نہیں تھیں۔ وہ گندی رنگت اور بہت ہی دبے پتلے جسم کی مالک تھی۔

”کوئی فکر نہیں ہے، کامپلیکشن ہے تو وہ بھی بس..... کالے سے ذرا صاف.....“ وہ مبالغہ آرائی کی حد کر دیتیں اور جو ان کا مایوس انداز اور لب و لہجہ رویجہ سن لیتی تو ان کا غم غلط کرنے کے لیے آئندہ کئی دنوں تک صبح شام رنگ گورا کرنے والی کریمیں لگاتی رہتی۔

”اور پڑھائی میں تو بالکل قفل ہے قفل..... زیرو او بلک زیرو۔ ڈریسز دیکھے ہیں یہ لے، لے دو پٹے اور میچنگ اسکارف..... مانی گاڈ.....“ ان کی جان کو لاحق غموں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

”کس نے کہا ہے اتنی سلیبس اردو بولنے کے لیے۔ گھر میں نہ سہی کسی پارٹی میں، کسی گیسٹ کے سامنے اپنی پرفیکشن بنانے کے لیے تھوڑا بہت شو آف کرنا ہی پڑتا ہے۔“ کبھی وہ بری طرح جھلا کر کہتیں، ایسے میں اگر زونا پاس ہوتی تو فسطیہ کہتی۔



وہ چپ کر کے سنے گئی۔ راحیلہ خود ہی بول، بول کر چپ کر گئیں۔  
 ”ٹھیک کہہ رہی تھیں سہیل آرا، مجھے تمہارے لیے اسفند کے پروپوزل پر غور کر ہی لینا چاہیے۔“ وہ بہت دیر سے ان کی بات سن رہی تھی۔ آخر میں اچھل کر رہ گئی۔

☆☆☆

”پاپا..... آپ سمجھائیں ناں امی کو..... وہ کیوں میری شادی کر رہی ہیں اتنی جلدی۔“ وہ تو آج بڑی ہمت کر کے پاپا کے سامنے آئی تھی۔  
 ”آپ نے بھی تو پڑھ کر نہیں دیا۔ آپ کو پتا ہے ماما آپ سے کیا چاہتی تھیں مگر آپ نے ان کی expectations کی کوئی پروا نہیں کی۔ اب وہ آپ کی بات نہیں مان رہیں۔“  
 ”وہ میرے بس میں نہیں تھا پاپا..... آپ جانتے ہیں اچھی طرح.....“

”مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سی چیزیں اور باتیں آپ کے بس میں تھیں جو آپ کی ماما نے آپ سے کہیں مگر آپ نے انہیں فالو نہیں کیا..... جب آپ کا ٹائم تھا آپ نے من مانی کی۔ اب ان کا ٹائم ہے، وہ کریں گی۔ آپ احتجاج کرنے کا حق کھو چکی ہیں۔“  
 پاپا بات ختم کر کے اپنی کتاب میں گم ہو گئے اور زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ گھر میں اس کی حیثیت صرف ایک لائیکل مسئلے کی سی ہو گئی ہے۔

”ماما مجھ سے اس حد تک پریشان ہیں کہ اب وہ باعزت طریقے سے مجھے گھر سے نکال دینا چاہتی ہیں۔“ تکلیف دہ، پریشان کن سوچوں نے اس کے اپنے ہی گھر میں اس کا پیچھا پکڑ لیا۔ مایوسی اور دکھ کے عفریت اس کے گرد اپنے اچھے ہوئے جال بننے لگے۔  
 ”زویا اور راحیل امی اور پاپا کی آنکھوں کے تارا ہیں اور میں..... میں غلطی سے آنکھ میں پڑ جانے والا ٹکڑا.....؟ جسے جب تک آنکھ مسل، مسل کر باہر نہ نکال دیا جائے۔ انسان کو چین ہی نہیں ملتا۔“ وہ خاموش رہتی

اور ابھی، ابھی نظروں سے امی کو خوش اور مگن شادی کی تیاریاں کرتے دیکھتی رہتی۔  
 ”اور امی خود بھی تو کتنی ضدی نکلیں۔“ اس کے ذہن میں کسی کے خلاف شکایت نہیں تھی۔ وہ تھی ہی اتنی شفاف دل کی مالک۔

”بجائے اس کے کہ مجھے کسی آرٹ اکیڈمی میں جوائننگ دلوادیتیں۔ اٹھا کے میری شادی کرنے کی پڑ گئی انہیں۔“  
 اسے شادی کے نام سے اکٹھا ہٹ اور بیزاری محسوس ہونے لگی۔

☆☆☆

سنا تو تھا چند ایک لوگوں سے کہ اس کا پہلا ہی پروپوزل اتنا شاندار آیا کہ راحیلہ بیگم سے انکار نہ ہو سکا۔ اسفند کی تعریفیں اور اس کے سسرال کی مداح..... مگر اسے کسی بات سے دلچسپی ہوتی تو وہ کان دھرتی ناں۔

اسے تو اس بندے سے بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کمرابند کر کے پھولوں سے بھی سج پر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اور کیا کہہ رہا تھا بھلا.....

”آپ..... پلیز برا مت منائیے گا۔ میں بہت تھک گئی ہوں اور یہ جو آپ کام کر رہے ہیں ناں میری تعریفوں والا..... تو یہ کل کر لیجیے گا۔ ابھی..... ابھی میں سو جاؤں؟“ اس نے التجا آمیز انداز میں یوں اسفند کی طرف دیکھا کہ اسے اپنا دل سینے کی دیواروں سے ٹکراتا محسوس ہوا۔ یہ مشکل خود کو سمجھا بھجا کر اس کی بات ماننے پر راضی کیا۔ پھر بھی..... روکتے روکتے.....

”یہ آپ کی رونمائی کا تھنہ.....“ نازک سی انگلی اس کی حنائی انگلی میں پہنا کر اس نے ہاتھ پشت سے چوم لیا۔

”آف..... ف..... ف.....“ رویہ تو وہیں فریز ہو گئی۔

اسفند اس کی حالت سے حفا اٹھا تا پیش قدمی کرتا چلا گیا۔



دیکھ کر پسینے آرہے ہیں۔  
”اب تو عادت ہوگئی ہے امی، آپ نے فرسٹ ٹائم دیکھا ہے ناں اس لیے۔ اب تو میں خود بھی بہت کمفرٹبل فیل کرتی ہوں۔“ پھمکی پڑتی مسکراہٹ کے ساتھ کچھ تو اسے کہنا ہی تھا۔

زونیرہ اور راحیل کے سوسونخرے اٹھانے والی راحیلہ بیگم، رویچہ کی ماں بن کر پتا نہیں کیوں اتنی بے عروت ہو جاتی تھیں۔ وہ زندگی بھر سے محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی کے سفر کو سہل اور دشوار راستوں پر چلانا قسمت سے زیادہ خود اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے، اس نے بھی سیکھ ہی لیے دشوار راستوں کو سہل کرنے کے چند سنہری اصول..... کبھی یوں بھی ہوتا کہ کوئی معاملہ دیانت، نظر اندازی اور سمجھوتے کی محدود پالیسیوں سے نکلتا ہوا محسوس ہوتا تو یوں لگتا زندگی..... زندگی بھر حکمت عملیاں مرتب کرتے اور ان پر عمل درآمد کی کوشش میں نڈھال ہوتے ہی گزرے گی۔

بھرے پُرے سسرال میں بنانا تھے پر سلومیں ڈالے گزارہ کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر اس نے کر دکھایا۔ ماں غیر مطمئن تھی۔ اس نے ساس کو گرویدہ بنا لیا۔ بہن اس کا مذاق اڑاتی تھی اور نندا کے نقش قدم پر چلنا چاہتی تھی۔ اور اسفند تو تھا ہی محبت اور وفا کی دوسری تصویر۔

تھوڑے بہت اسپید بریکرز کو چھوڑ کر اس کی زندگی کچی مٹی کے اس آئین کی طرح ہو چلی تھی۔ جس کے آدھے حصے پر سکھ چین کے درخت کی سایہ دار حکومت تھی اور کچی مٹی پر جب محبت کی بوندیں برتیں تو ایک سنہری مقدس خوشبو سے اس کی روح تک معطر ہو جاتی لیکن امی..... مسز راحیلہ احتشام..... انہیں کیسے مطمئن کر پاتی وہ۔

”اتنی جلدی..... اوہ مائی گاڈ.....!“

”جلدی کہاں امی، یہ تو بہت نارمل سی بات ہے۔“ وہ شادی کے پانچ ماہ بعد جب امید سے ہوئی تو راحیلہ کو اعتراض تھا اور دوسری بار ایہہ چھ ماہ کی تھی ماہنامہ پاکیزہ 211 دسمبر 2016ء

زندگی ایک نئے روپ میں اس پر وارد ہو رہی تھی۔ وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا اور جتنا خوش ہوتی بہت تھوڑا..... اتنی محبتیں، اتنی چاہت، اتنی اہمیت.....  
”اللہ اسفند، یہ شادی بھی ناں.....“ کبھی کبھی وہ اسفند کی سنگت میں محبت اور خوشی سے سرشار چٹخار سا بھرتی۔  
”بہت مزے کی چیز ہے۔“ بالی عمر کا بائکپن اور اس پر یہ انجان محصومیت.....

”اچھا..... اچھا..... اچھا۔“ اسفند اس پر نشار ہو جاتا۔ اسے ہانپوں میں بھر کر گھما ڈالتا اور وہ کھلکھلائے چلی جاتی۔

ہنی مون سے واپسی پر اس کی گندی رنگت کھل کر گلابی ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر قوس قزح کی سی دھنک تھی اور اتنی جھللاہٹ کہ نظر کا ٹھہرنا مشکل تھا۔  
”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“ بے ساختہ اسے دیکھ کر راحیلہ بیگم کے لبوں سے شکر کے کلمات نکل گئے۔ رویچہ کو یوں ہنستا مسکراتا خوش باش دیکھ کر، پچھلے کئی دن سے دل میں پلنے والے خدشات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔  
راحیل نے اسے اتنا چستے دیکھ کر اس کی ہنسی پر کھٹ دیا اور وہ جواباً پھر سے ہنستی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اچھا بس..... امی میں چلوں اسنی کامیج آیا ہے، وہ مجھے لینے آرہے ہیں۔“ ہلکے گلابی رنگ کے زرتار سوٹ میں وہ خود بھی گلاب کا پھول تھی۔

”یہ کیا روی..... یہ تم کیا لاؤ کر آئی تھیں۔“ راحیلہ کی پیشانی پر اسے عبایا پہنتے دیکھ کر بل نمایاں ہو گئے۔

”عبایا ہے، انہوں نے ہی کہا تھا کہ گھر سے باہر جاتے وقت.....“ اسے امی کی ناراضی اور ناپسندیدگی کا علم تھا مگر جانے کیوں اسفند کی بات رد کرنے کو دل نہیں چاہا۔

”بس اس نے کہہ دیا اور تم نے مان لیا۔“ راحیلہ بیگم نے ناگواری کا اظہار کرنے میں لہجہ نہیں لگایا۔  
”آف اللہ اتنی گری میں کیسے..... مجھے تو تمہیں دیکھ



تب..... انہیں تو غش آنے لگے۔ گی۔“ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆

”اے ہٹو، تم اپنے یہ دقیا نوی خیالات اپنے پاس رکھو۔“ امی کا رد عمل اس کی توقع سے سو فیصد الٹ نکلا۔ وہ ہکا بکا ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

”وہ اگر کچھ کر رہی ہے تو اپنی بہتری کے لیے ہی ناں۔“ ”امی.....“ اس نے بے حد حیرانی اور تاسف سے انہیں دیکھا۔

”تو آپ کے خیال میں زونا ٹھیک کر رہی ہے، آپ کو کوئی شرمندگی نہیں۔“

”شرمندگی کیسی بھی..... سوسائٹی میں ہر ملنے جلنے والا شہر یا ر کو اپنا داماد بنانا چاہتا ہے، منیر کی ڈھیروں ڈھیر جائداد کا..... اکلوتا وارث ہے وہ آخر..... ایسے میں اگر زونا نے گھر کی لڑکی ہونے کے ناتے تھوڑے ہاتھ پاؤں مار لیے تو کیا غلط کیا اور تم.....“ انہوں نے بے حد بیزارگی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ ”تم تو بس رہنے ہی دو، تم کیا جانو آج کل کی ڈیمانڈز، ریکوارمنٹس..... اور ہائی سوسائٹی میں موو کرنے کے طریقے۔ تم تو اپنا یہ تنبو سنبھال کر بیٹھو بس۔“ ”راجیلہ بیگم نے بے حد طنز یہ انداز میں بول کر اس کی بولتی بند کرادی۔

گھر سے واپسی پر وہ بے حد دل گرفتہ تھی۔ ”کیا بات ہے، اتنی چپ، چپ کیوں ہو؟“ اسفند ہمیشہ کی طرح اس کی پریشانی جاننے کے لیے موجود تھا۔ مگر وہ اسے کیا بتاتی، چپ چاپ ارسل کے بالوں میں اٹکیاں پھیرتی رہی۔

”اچھا سنو..... وہ خمیر ہے ناں، وہ پاکستان آرہا ہے۔“ اسفند نے اس کا رد عمل دیکھنا چاہا۔ وہ گہری سانس بھر کر سیدھی ہوئی۔

”مجھے بھلا اس کے آنے نہ آنے سے کیا فرق پڑے گا سنی۔“

”فرق تو پڑ ہی جائے گا کیونکہ وہ جتنے دن یہاں رہے گا..... ادھر ہمارے گھر میں ہی ٹھہرے گا۔“

”اچھا کوئی مسئلہ نہیں ہے، جب آئے گا تو دیکھی

”کچھ تو اپنے فکر کا خیال کر لو میری جان۔“ رویہ کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے، یقیناً امی نے صحت کہا ہوگا فکر نہیں۔ اسے سننے میں مغالطہ ہوا تھا نہ ان کو کہنے میں کوئی عار تھا۔

”اتنی جلدی، جلدی بچے پیدا کروگی..... تو فٹ بال بن کر رہ جاؤ گی، یاد رکھو مرد کو اسمارٹ بیویاں پسند ہوتی ہیں، بھدی اور بے ڈھنگی نہیں۔“

اپنی طرف سے وہ اسے خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے بہترین اصول سکھاتی تھیں مگر رویہ جانتی تھی ان سبہرے اصولوں پر عمل نہ کرنا ہی اس کی ازدواجی زندگی کی بقا کے لیے بہتر تھا۔

شادی کے بعد تین سالوں میں وہ دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ جبکہ زونیرہ یکے بعد دیگرے کامیابی کی منازل طے کرتی ہوئی ڈریس ڈیزائنر کی حیثیت سے اپنا بوسٹیک کامیابی سے چلا رہی تھی اور راجیلہ بیگم اس کے لیے آج کل کسی اچھے لڑکے کی تلاش میں تھیں مگر خود زونیرہ کا دل اپنے منیر ماموں کے بیٹے شہر یار میں جالنے لگے گا یہ تو رویہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

زندگی بھر خاندان والوں کو لکھت نہ کروانے والی اور ہمیشہ سے اسٹیشن کے راگ الاپنے والی راجیلہ بیگم نے اگر اپنے بھائی سے راہ و رسم بڑھائے تھے تو اس کی وجہ یقیناً زونیرہ کی پسند نہیں بلکہ ان کا تیزی سے اوپر جانا اسٹیشن ہی تھا۔

زونیرہ کے اندر کوئی کمی نہیں تھی کہ اسے یوں کسی کے سامنے خود کو نمایاں کرنے کی ضرورت پڑے پھر جانے کیوں اس نے یہ راستہ اختیار کیا۔

وہ جب سے ماموں کے گھر سے واپس آئی تھی اپنا دل و دماغ، دھیان سب کچھ جیسے زونا کے پاس ہی چھوڑ آئی تھی، ذرا ذرا سی دیر کے بعد اسے کمرے کا منظر یاد آتا اور نئے سرے سے شرمندگی کے احساس سے اس کا چہرہ تپنے لگتا۔

”میں ضرور امی سے اس بارے میں بات کروں



کر بیٹھتی۔ وہ اس میں بھی خوش تھی۔  
 ”کنویں کی مینڈک.....“ راحیلہ نے اسے ٹھیک  
 ہی خطاب دیا تھا۔ باپ کے گھر کے بڑے سے سیاہ گیٹ  
 کے آگے رک کر ہارن بجاتے ہوئے اس نے سوچا۔  
 ”آؤ روی..... میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔“  
 امی اسے لاؤنج میں ہی مل گئیں۔

”زونا کہاں ہے؟“  
 ”کہاں ہوگی۔“ وہ جتنی بے تابی سے اس کی  
 طرف بڑھی تھیں اب اتنی ہی ست روی سے واپس جا  
 بیٹھیں۔

”کل سے کمرے میں بند ہے۔“ اسے بھی سن کر  
 افسوس ہوا۔

”تم سناؤ، بچے تو اسکول گئے ہوں گے۔“ بیٹی  
 کے تین سال کے ہوتے ہی اس نے دونوں کو ایک  
 ساتھ اسکول میں ڈلوادیا تھا۔

”جی امی..... پر زور دینا کہ پتا کیسے چلا؟“  
 ”ارے کیسے بھی بس..... پتا تو چل گیا ناں۔ اور  
 یہ باتیں کوئی چھپنے کی ہوتی ہیں۔“ امی خود بھی بھری بیٹھی  
 تھیں۔

”اچھی دیدہ دلیری ہے..... بھی جب اسے کرنی  
 ہی نہیں تھی تو زونا کو سبز باغ دکھانے کی ضرورت کیا  
 تھی۔“ وہ سر جھکائے بیٹھی سوچتی رہی۔

”جوڑکی خود سے سبز باغوں کی سیر کرنا چاہے تو  
 کون پاگل ہے جو اسے مایوس کر کے اتنا اچھا موقع  
 گنوائے۔“ اس نے سوچا پر بولی کچھ نہیں۔  
 ”زونا تو کسی بات کو اتنا سر پر سوار نہیں کرتی تھی  
 پھر اب.....؟“

”کچھ ایووشنل ایچمنٹ تو ہو ہی جاتی ہے ناں۔“  
 امی نے گہری سانس لی۔  
 ”خیر چھوڑو تھوڑا ناٹم لگے گا پھر نارمل ہو جائے  
 گی خود ہی..... یہ بتاؤ تم نے ناشتا کیا۔“ اس نے بنا  
 کچھ کہے نفی میں سر ہلایا۔

”تو چلو پہلے ناشتا کرو پھر اس پاگل سے مل کر حل  
 مابینہ پاکستانیہ 213 دسمبر 2016ء

جائے گی۔“  
 وہ شیر جیسے دوست کے لیے اسفند کی محبت اور  
 اس کے خلوص کی شدت سے واقف تھی مگر اس وقت  
 بے دھیانی سے ہوں، ہاں کر کے رہ گئی۔ کیونکہ دل اور  
 دماغ تو امی کے ساتھ ہونے والی گفتگو میں ہی پھنسے  
 ہوئے تھے۔

”زونا اپنی بہتری کے لیے خود کوششیں کیوں  
 کر رہی ہے، آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں، ابھی اس  
 کے ماں، باپ زندہ ہیں جو سوچتا ہے آپ لوگ  
 سوچیں۔“

”ہم ہی سوچ رہے ہیں، جب ہی اسے لے کر  
 گئے تھے وہاں پر۔“ راحیلہ بیگم پر تو جیسے کسی بات کا اثر  
 ہی نہیں تھا۔

”جوڑکیاں اپنے آپ کو پلیٹ میں سجا کر  
 دوسروں کے آگے پیش کر دیتی ہیں کوئی اُن کی طرف نظر  
 اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔“ یہ آخری بات تھی جو وہ  
 راحیلہ بیگم سے کہنا چاہتی تھی مگر کہ نہ سکی تھی۔

اس نے تو اپنی لمبی بحث بھی صرف زونا کے لیے  
 فکر مند ہونے کی وجہ سے کی تھی۔ ورنہ اسے ان کے  
 آگے اپنی جلانے کی عادت نہیں تھی، نہ وہ اسے اچھی  
 بات گردانتی تھی۔

☆☆☆

موسم ابر آلود تھا۔ صبح سے دو تین بار ہلکی بوندا  
 باندی بھی ہو چکی تھی۔ وہ بہت احتیاط سے ڈرائیونگ  
 کر رہی تھی۔ یہ ڈرائیونگ کی سہولت اسے اسفند ہی کی  
 مہربانی سے حاصل ہوئی تھی۔

گوکہ اسفند عورتوں کو حد درجہ آزادی دینے کا  
 حامی نہیں تھا۔ مگر اتنا قدامت پرست بھی نہیں تھا کہ  
 اسے گھر بٹھا دیتا۔ اسے ہر کام اعتدال میں رہ کر کرنے  
 کی عادت تھی۔ جیسے اس نے روپے کو ڈرائیونگ سکھائی  
 تھی مگر اسے اپنے میکے کے سوا اور کہیں اکیلے جانے کی  
 اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ امی کے گھر کا راستہ نہ تو بہت  
 لمبا تھا نہ اتنا مصروف کہ روپے انجانے میں کوئی نقصان



ٹپکانی آواز کون کر اس نے تعجب سے ریسیور کو گھورا۔  
اسے یاد نہیں تھا کہ امی نے بغیر مطلب کے کبھی اس سے  
اس درجہ متحاس بھرے لہجے میں بات کی ہو۔

”امی کیا بات ہے..... خیریت تو ہے؟“ وہ  
بجائے خوش ہونے کے پریشان ہوا تھی۔

”ارے ہاں، ہاں سب خیریت ہے، خیریت نہ  
ہوتی تو میں تمہیں اتنا ہنس، ہنس کر فون کرتی کیا۔“ وہ  
ہنس دیں۔

”ہاں یہ تو ہے۔“  
”ارے پاگل، راحیل کی انجمنٹ کر دی ہے  
میں نے۔“

”ہیں؟“ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

”امی! کب کیسے؟ اپنی اچانک مجھے بتائے بغیر.....“

”ارے اچانک کہاں..... دو ہفتوں سے سلسلہ

چل رہا تھا۔ اس کی اتنی مصروفیت تھی کہ تمہیں بتانے کا

موقع ہی نہیں ملا۔ ابھی کل رات ہی تو وہ لوگ بات

فائل کر کے گئے ہیں تو میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ آج تو

تمہیں بتا ہی دیتا ہے۔ تم آنا ناں..... ماشاء اللہ سے

خوب متھاکی، پھل اور سب گھر والوں کے لیے جوڑے

اور تحائف دے کر گئے ہیں۔ بھئی ہیں بھی بہت پیسے

والے اونچے لوگ۔“ راحیلہ بیگم اپنی خوشی میں اس قدر

گن گن تھیں کہ رویحہ کی خاموشی کو محسوس ہی نہیں کیا۔

”پھر تم آرہی ہو ناں..... آج ہی چکر

لگا لو..... بلکہ ایسا کرو، ابھی آ جاؤ۔“

”جی.....“ اس کے حلق سے یہ مشکل آواز نکل سکی۔

”ہاں ناں اور کیا بچے تو اسکول میں ہوں گے

ناں..... میں تو کل بھی تمہیں بلانے کا سوچ رہی تھی مگر

راحیل اور زونا نہیں مانے اور تمہارے پاپا کو تم جانتی ہو،

کسی معاملے میں نہیں بولتے۔“

”راحیل اور زونا..... کیوں نہیں مانے؟“

”ارے تمہیں پتا تو ہے، تمہارے بچے کتنے شریر

ہیں، زونا اور راحیل دونوں ہی کہنے لگے کہ وہ گید رنگ

خراب کر دیں گے۔ تم تو ویسے بھی ان پر گنواروں کی

سمجھانا۔“ ناشتے کے بعد راحیلہ بیگم نے پھر موضوع  
چھیڑ ڈالا۔

”ارے وہ کوئی آخری لڑکا تو نہیں تھا ناں دنیا

کا.....“ وہ خود ہی زور سے بولیں پھر چوکیں۔

”آخری لڑکے سے یاد آیا تمہارا کوئی دیور، دیور

آیا ہوا ہے امریکا سے۔“

”جی، ہمارے یہاں ہی ٹھہرا ہے۔“ وہ بہت

بیروانی سے بولی۔

چائے پی کر گھر جانے سے پہلے وہ زونا کے

کمرے کی طرف آئی۔ حالانکہ جانتی تھی بیکار ہی ہوگا۔

اس کے سمجھانے کی نوبت تو دور زونا اسے دیکھنا اور

بات تک کرنا پسند نہیں کرے گی۔ آف موڈ میں فیملی

ممبرز میں سب سے برے سلوک کی حقدار ہمیشہ وہی

ٹھہرتی تھی جانے کیوں۔ اس کا اندازہ غلط نہیں

نکلا..... زونا نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولے بغیر

اسے واپس کر دیا۔

☆☆☆

گھر آتے وقت اگر وہ پریشان تھی تو واپسی

پر دل گرفتہ.....

سارا راستہ وہ امی کی باتوں کو سوچ کر دکھی ہوتی

رہی۔ تبھی اسے یاد آیا کہ اس کے سیل میں کریڈٹ ختم

ہو چکا ہے، اس نے قریبی جنرل اسٹور پر ایزی لوڈ کا

بورڈ لگا دیکھ کر گاڑی روکی۔ مگر گاڑی سے اتر نہ سکی۔

اس نے قریبی سڑک پر کھڑی گاڑی میں اسفند

کے دوست شمیر کو شہر یار کے ساتھ دیکھا۔ وہ حیرت سے

وہیں رک گئی۔

وہ گاڑی شاید نہیں بلکہ یقیناً شہر یار کی تھی جو اسے

حال ہی میں مینر ماموں نے دلائی تھی۔

سگنل گرین ہوا تو گاڑی آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی

موبائل کریڈٹ بھول بھال کر گم صم ذہن کے ساتھ گھر

کی طرف ہوئی۔

☆☆☆

”ارے روی میری جان کیسی ہو تم؟“ امی کی شہد

ماہنامہ پاکیزہ 214 دسمبر 2016ء



تھی۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔  
”تو اب بھی کیوں آگئیں۔“ وہ ناراضی سے کہہ کر کروٹ لینے لگا۔

”اسفند خدا کے لیے مجھ سے ناراض مت ہو، میں آسندہ ایسی غلطی نہیں کروں گی پلیز۔“ وہ بری طرح بلک اٹھی۔

”ارے، ارے ریلیکس..... کیا ہو گیا؟“ اسفند اس کے یوں رو پڑنے پر ایک دم گھبرا سا گیا۔ وہ روتی چلی گئی۔

”کیا ہو گیا ہے رویہ جانو..... کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو۔“ وہ اسے خود سے لگا کر تھکنے لگا۔  
”طبیعت ٹھیک ہے، کوئی بات کی ہے کسی نے..... امی نے..... آئی نے؟“ وہ نشی میں سر ہلاتی رہی۔

”پھر.....؟“  
”امی نے راحیل کی منگنی کر دی۔ مجھے کسی بات میں شامل نہیں کیا۔ اور بتایا تک نہیں۔“ اسفند گہری سانس بھر کر رہ گیا۔  
”ابھی کس نے بتایا۔“

”امی نے ہی کیا تھا فون صبح۔“  
وہ چپ ہو گیا۔ کوئی بات ہی نہیں بچی تھی کرنے کے لیے۔

”چلو اچھا منہ دھو جا کے..... صبح بات کرنا ابھی بہت رات ہو گئی ہے سو جاؤ۔“ وہ اٹھنے لگی پھر رک گئی۔  
”کل آپ کا اور شمیر کا کہیں جانے کا ارادہ تو نہیں۔“  
”کیوں.....؟“

”وہ امی اس کی دعوت کرنا چاہ رہی ہیں۔“ وہ پھر سے بے چینی سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ ”وہ امی اسے زونا کے لیے بلانا چاہ رہی تھیں۔“

”ہاں تو چلے چلیں گے کیا مسئلہ ہے۔“ اسفند رضامند تھا مگر وہ خود نہیں (بے بسی سی بے بسی تھی) اس کا ایک فی صد بھی دل نہیں تھا کہ وہ اس دعوت میں شریک ہو مگر شریک ہونے یا نہ ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اسے ہی تو شمیر کو لے کر جانا تھا۔ پھر شمیر کوئی

طرح چینی چلاتی آس پاس سب بھول جاتی ہو۔“ انہوں نے بات کے آخر میں ٹھٹھا لگایا۔

”اور پلیز ڈونٹ مائنڈ..... تم وہاں دیر سے پہنچتیں تو ان لوگوں کے سامنے تمہارا وہ بوا جیسا گیٹ اپ کم از کم مجھ سے تو برداشت نہیں ہوتا۔ اتنا بڑا تنبو جیسا تو برقع پہنتی ہو تم اور پھر تمہارا وہ چوبیس گھنٹے لینا رہنے والا اسکارف۔“ وہ بہت بیزاری سے بولتے، بولتے چونک پڑیں۔

”اچھا سنو! وہ تمہارا دیور پاکستان میں ہی ہے ناں ابھی۔“ اس نے یہ مشکل حلق میں اٹکتے آنسوؤں کو پیا۔  
”جی..... جی ابھی ہے۔“ اس سے بات نہیں کی جا رہی تھی۔ پتا نہیں وہ امی کے اس خیموں والے رویے کی عادی کیوں نہیں ہو سکی تھی۔

”ہاں تو کسی دن اسے لے کر آؤ ناں ڈنر پر۔“  
”ہیں؟“ وہ تو ابھی پہلے حملے سے ہی نہیں سنبھلی تھی۔  
”ہاں، ہاں اور کیا..... اور اپنی زونا کی بات اس کے کان میں ڈال دو۔ لو تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ امریکا پلٹ بزنس مین، اتنی شاندار پرسنالٹی والا دیور بغل میں دبائے گھوم رہی ہو اور اپنی بہن کا خیال نہیں آیا تمہیں۔“

امی بہت لاڈ سے اس سے شکوہ کر رہی تھیں۔ کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا جیسے وہ ان کی سگی اولاد ہی نہیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہونے لگا تھا اسے۔ ابھی انہوں نے اسے بتاتائے گئے بھائی کی منگنی کی خبر دی تھی اور اب اچانک وہ اس سے بہن کے اتنے ذاتی معاملے میں دلچسپی نہ لینے کا شکوہ کر رہی تھیں۔

☆☆☆

”اسفند..... اسفی.....“ اس نے سوئے ہوئے اسفند کو شانے سے بلایا۔

”اب آرہی ہو..... میں کب سے انتظار کرتے کرتے سو گیا۔“ اس نے سندی آنکھیں کھول کر خفگی سے جتایا۔

”امی کی ٹانگوں میں بہت درد تھا۔ مالش کر رہی



”آپ سمجھ جائیں ناں اس نے منع کر دیا ہے۔“  
وہ امی کے اصرار سے تنگ آگئی تھی۔

ایک نئی مصیبت شیر اور زونیرہ کے چکر میں اس کے گلے بڑ چکی تھی۔ امی روز اس سے شیر کی رائے جاننے کی کوشش کرتیں، وہ خود شیر سے ڈائریکٹ بات نہیں کر رہی تھی۔ اور شیر، اسفند کو کوئی واضح جواب نہیں دیتا تھا۔ کتنے دن اس نے یہ کہہ کر گزاردیے کہ وہ ابھی سوچ رہا ہے۔

”ارے وہ کوئی لڑکی کا باپ ہے جو سوچنے اور چھان بین کرنے میں وقت لگائے۔ یہ کام تو ہمارا ہے بھی۔“

شروع میں راحیلہ، زونا کو لے کر زیادہ ہی... بُرا اعتماد تھیں۔ جیسی بے فکری سے بات کرتی رہیں۔ مگر جب رویحہ کی طرف سے کوئی واضح جواب نہیں آیا تو انہیں اپنے انداز کی طرف پلٹنا ہی پڑا۔

”میں سمجھ کیوں جاؤں آخر..... جو اس نے کہا ہے وہ بتاؤ ناں۔“ رویحہ چپ ہوگئی۔

”جو اس نے کہا ہے وہ آپ کو بتا تو دوں۔ مگر آپ کی شرمندہ صورت کیسے دیکھ پاؤں گی۔“ وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔ بات اتنی بھی معمولی نہیں تھی۔ اس دن روڈ پر اس نے شیر اور شہر یار کو ساتھ دیکھا تھا مگر خاص نوٹس نہیں لیا تھا اور بات ذہن سے نکل گئی تھی۔

شیر، شہر یار کا بھی دوست تھا۔ اسفند کی طرح قریبی نہ سہی..... مگر دوستانہ بہر حال تھا۔ اور وہ اتنے عرصے بعد پاکستان آیا تھا کہ قریب و دور کے سبھی تعلق رکھنے والوں سے میل ملاقات کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے خود ہی زونیرہ کا ذکر شہر یار کے سامنے کیا ہوگا۔ جواباً شہر یار نے زونیرہ کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ مزید اپنے سیل میں موجود زونیرہ کی تصاویر اور ماضی میں اس کے ساتھ اپنے تعلق کو بھی ظاہر کر دیا۔ اب اس نے کن الفاظ میں زونیرہ کی کردار کشی کی تھی یہ تو وہ خود ہی جانتا تھا یا پھر شیر.....

اسے یہ تمام تفصیل اسفند سے بے حد اصرار کے

بچہ نہیں تھا کہ اس قسم کی دعوتوں کی نوعیت کو سمجھ نہ پاتا۔ خاندان میں سب ہی کو پتا چل چکا تھا کہ وہ یہاں شادی کی غرض سے آیا ہے۔ لہذا خاندان میں وہ تمام لوگ جوانی بیٹیوں کے لیے اچھے رشتوں کی تلاش میں تھے دعوتیں کر رہے تھے۔

بس اب فرق یہ تھا کہ یہ دعوت رویحہ کے سرال کے بجائے اس کے میکے کی طرف سے ملی تھی۔ اور غیر متوقع طور پر بالواسطہ شیر نے زونا کو دیکھنے کے لیے اسفند کے سامنے دلچسپی کا اظہار بھی کر ڈالا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کی دلچسپی کے بارے میں جان کر رویحہ کو ایک فیصد بھی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ راحیلہ بیگم کی یوں چپ چاپتے راحیل کی معافی والی حرکت نے اس کا دل میکے والوں کی طرف سے کھٹا کر دیا تھا۔

دعوت ٹھیک رہی۔

راحیل، زونیرہ، راحیلہ بیگم اور احتشام صدیقی سب ہی موجود تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا اپنا رویہ نہ صرف اپنے ماں، باپ بلکہ راحیل اور زونا سے بھی روکھا ہی رہا۔ اوپر سے زونا کا حلیہ.....

وہ خود کا ڈیزائن کیا ہوا سلیولیس ٹاپ اور ہمیشہ کی طرح بے حد چست جنیز پر ڈھیروں عجیب طرح، طرح کے موٹے، موٹے کڑے کلائی میں ڈالے ہوئے تھی۔ بالوں کو کرل کر کے اونچا باندھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی دودھیا گردن اور سفید بازو محفل میں الگ ہی نظر آ رہے تھے۔

”کم از کم آج تو شلوار سوٹ پہن لیتیں، اسٹوڈنٹ۔“ رویحہ نے کوفت سے سوچا۔ اس کی انٹری کے وقت شیر کی آنکھوں میں انڈنی حیرانی اس کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکی اور یہ بھی کہ بعد کا سارا وقت شیر نے نظریں جھکا کر گزارا۔

☆☆☆

”میں جب بھی پوچھتی ہوں تم بات کو آئیں بائیں شائیں کر دیتی ہو۔ آخر صاف، صاف بتائی کیوں نہیں؟“

ماہنامہ پاکیزہ 216 دسمبر 2016ء



”زونا نے فون پر شیر سے بات کی ہے؟“  
 ”ہاں، آ..... آں..... مجھ سے پوچھ کر ہی کی تھی۔“  
 ”اسی لیے..... اسی لیے اس نے زونا کو رنجیکٹ کر دیا۔“

”ارے کہیں پاگل تو نہیں ہو گئیں تم..... وہ کیوں..... اوہ! اب مجھی میں...“ وہ تیز ہو کر بولیں۔ پھر یوں دھیمی پڑ گئیں جیسے ان کے ذہن نے کہیں کوئی کڑی ملائی ہو۔

”تمہاری اپنی تند بھی تو رشتوں کے انتظار میں بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے اب اسفند اپنی گھر بیٹھی بہن کو چھوڑ کر کسی دوسری لڑکی کے لیے تو راستہ صاف کرنے سے رہا..... ہم م م..... تو یہ تم دونوں میاں بیوی کی ملی بھگت ہے..... میں پوچھتی ہوں روی..... تمہیں اپنی بہن کا ذرا خیال نہیں آ رہا؟“  
 راحیلہ بیگم نے جو بولنا شروع کیا تو بولتی ہی چلی گئیں۔

”خدا کے لیے خاموش ہو جائیں امی، آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، مجھے زونا کا خیال تھا بھی میں نے اسے شہریار کے پاس جانے اور ہر ایک کے لیے تر نوالہ بننے سے روکا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ میں یہ سب آپ کو بتاؤں۔ کیونکہ میں آپ کی دل آزاری نہیں کرنا چاہتی تھی مگر جو بدگمانی آپ میری طرف سے اپنے دل میں پالے بیٹھی ہیں اسے ختم کرنے کے لیے میرا بولنا ضروری ہے۔“ اس نے گہری سانس بھر کر تاسف سے سر ہلایا۔

راحیلہ بیگم نے پہلی بار اسے اس قدر غصے میں دیکھا تھا۔

”یہ سچ ہے کہ شیر نے زونا کو رنجیکٹ کرنے کے لیے مجھ سے جو بہانہ بنایا ہے وہ جھوٹ ہے۔“ راحیلہ بیگم نے طنز یہ انداز میں سر جھٹکا۔

”میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ یہ جھوٹ ہے اور جھوٹ بھی تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے بھونڈا اور لٹکڑا بہانہ.....“

”یہ بہانا..... بھونڈا اور لٹکڑا، سہی مگر سچائی اتنی ہی قد آور اور بھیا تک ہے امی۔“ زونیرہ بھی ان کی آوازیں

بعد پتا تو چل گئی تھی مگر اس کے بعد اس نے خود کو ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا محسوس کیا۔

اس کے دل پر کیا گزری اس کی اپنی عزت کس بری طرح مٹی ہوئی یہ تو بس وہ خود ہی جانتی تھی۔

اسفند کو بھی شہریار کی یہ حرکت پسند نہیں آئی تھی اور نہ اسے اس گھٹیا پن کی امید تھی مگر اسے موقع تو....

بہر حال زونا نے ہی دیا تھا ناں..... اس نے رویہ سے انکار کھلانے کے لیے یہی بہانہ بنایا تھا کہ زونا چونکہ

رویہ کی بہن ہونے کے باوجود اس جیسی نہیں اس لیے وہ زونیرہ کے بارے میں سنجیدہ نہیں۔ اور

رویہ..... اس کے اندر اسفند کا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہیں بچی تھی۔ شیر تو پھر ابھی یہیں تھا۔

”اوہ میرے خدا.....!“ اس نے اذیت سے اپنا سر قدام لیا تھا۔

اب راحیلہ بیگم اس کے سر ہو گئی تھیں۔

”امی وہ کہہ رہا تھا کہ اسے میرے جیسی لڑکیاں پسند ہیں ایسٹرن لک اور ایسٹرن لائف اسٹائل

والی اور زونا جیسی لڑکیاں تو امریکا میں بھی بہت ہیں، اسے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر زونا جیسی

لڑکی سے شادی کرنی ہوتی۔“

یہی بات تھی اور یہی اسے کہنا تھی۔ اور وہ جانتی تھی کہ میرے جیسی اور زونا جیسی کی تکرار اسے مہنگی پڑے گی۔

”کیا..... کیا بات کر رہی ہو تم..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے اتنا ویل مینرڈ، ایجوکیٹڈ، ماڈرن شخص تم جیسی

اولڈ اسٹائل لڑکی کو پسند کرے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

”اس میں یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے امی۔“ وہ نرمی سے ان کا انداز دیکھ رہی تھی۔

”تو اس میں یقین کرنے والی بھی کون سی بات ہے، ابھی کل ہی تو زونا نے خود بات کی ہے شیر سے فون پر۔ اس کے انداز سے تو کہیں سے۔“

”کیا..... کیا کہا آپ نے؟“ اس نے تیزی سے بات کاٹی۔



”آپ کی اپنی جی کو عزت کی کبھی پروا نہیں رہی  
اگر اسے اپنی اور آپ کی عزت کا ذرا بھی خیال ہوتا ناں  
تو یہ کبھی شیر کو خود سے فون نہ کرتی..... بلکہ یہ تو..... یہ تو  
شہر پار جیسے جھوٹے اور قلربی شخص پر تھوکتا بھی پسند نہیں  
کرتی۔“ بات کے آخر میں غصے کی شدت میں چلانے  
کی وجہ سے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

راحیلہ بیگم بے دم ہو گئیں اور زونیرہ واپس  
کمرے میں بند..... اس نے تیزی سے عبایا پہنا اور  
اسکارف لپیٹ کر سیٹھی پن لگائی۔

”یہی آپ کی تربیت تھی ناں..... جس پر آپ کو  
بہت مان تھا، یہی لائف اسٹائل تھا جس پر آپ بہت فخر  
کرتی تھیں آج یہی تربیت پورے خاندان والوں کے  
لیے تماشابن گئی ہے۔ کس، کس کا منہ بند کریں گی آپ،  
سوچیں بیٹھ کر..... میں چلتی ہوں۔“ اس نے گہری  
سانس بھر کر اپنے آنسو رگڑے۔

”یہ عبایا، یہ اسکارف، یہ پردہ جس پر آپ کو جی بھر  
کر اعتراض تھا یہی اسکارف یہی پردہ آج پورے خاندان  
میں میرے صاف سترے کردار کی نشانی اور میری عزت کا  
ضامن ہے۔“ اس کی آنکھیں پھر بھر رہی تھیں۔

”راحیل کی شادی میں مجھے بلانے سے پہلے  
سوچ لیجیے گا اچھی طرح..... کہیں آپ کی دقیا نوسی بیٹی  
کی وجہ سے آپ کے سدھیانے میں آپ کی  
عزت.....“ اس سے بات مکمل نہیں کی گئی وہ تیزی سے  
باہر نکل گئی۔ اس کے کانوں میں اس کی اپنی آواز گونج  
رہی تھی۔

”یاد رکھنا زونا..... عورت صرف ایک کنواری  
لڑکی نہیں ایک ماں، بہن اور بیٹی کا روپ ہوتی ہے اور  
اس کا کردار کالج کے مانند نازک اور شفاف ہوتا ہے۔  
اس میں کسی لغزش کے بال تو کیا شک کی معمولی سی گرد  
بھی پڑ جائے تو پھر دوبارہ کبھی صاف نہیں ہوتی۔“  
ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کے آنسو بہہ رہے تھے  
ہاتھ کانپ رہے تھے مگر دل بہت مطمئن تھا۔

کر کمرے سے نکل آئی تھی وہ امی اور رویحہ کی باتیں  
اپنے کمرے میں بیٹھی سن رہی تھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا..... میں بھی تو سنوں وہ  
سچائی۔“ اس نے ناگواری سے سینے پر بازو لیٹے۔

”مطلب یہ کہ شہریار سے تم پہلے ہی تنہائی میں ملتی  
رہی ہو۔“ اس نے ہم پھوڑا۔

”واٹ.....؟“ راحیلہ اچھل پڑیں پھر سوالیہ  
انداز میں زونیرہ کو دیکھا۔

”سب جھوٹ بکواس ہے۔“ وہ ذرا کی ذرا...  
زور دلا گئی۔

”یہ جھوٹ، بکواس نہیں ہے، شہریار نے خود شیر کو  
اپنا خلوص جتانے کے لیے تمہاری پکس (تصویریں)  
دکھائی ہیں، اس نے ہر بات بتائی ہے شیر کو۔ تمہارا  
ملنا، محبت بھرے میسجز کرنا اور شیر کو خاص طور پر اس سے  
دور رہنے کے لیے کہا ہے امی۔“ آخر میں وہ امی کی  
طرف مڑی تو اس کا گلہ رندہ چکا تھا۔

”کیا..... کیا بکواس کر رہی ہو رویحہ..... کہیں تم  
جھوٹ تو نہیں بول رہیں۔“ اس کا بے یقین لہجہ سن کر  
رویحہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔

”افسوس ہو رہا ہے مجھے تمہاری ذہنیت پر  
زونا..... میں بہن ہوں تمہاری، کیا میں تمہیں کسی کی  
نظروں میں، چاہے وہ امی ہی کیوں نہ ہوں، اتنا ڈی  
گریڈ کر سکتی ہوں کہ تمہارے کردار پر کچھ اچھالوں مگر  
افسوس صد افسوس تم نے اپنے کردار کی خود ہی حفاظت  
نہیں کی..... اور شہریار کی طرح شیر کے آگے بھی بچنے  
کے لیے تیار ہو گئیں اور اسے فون کر کے تابوت  
میں آخری کیل بھی ٹھونک دی۔“

”اے..... اے یہ سب شہریار نے کہا؟“  
راحیلہ اب تک بے یقین سی تھیں۔

”جی امی، یقین کر لیں شہریار نے..... آپ کے  
اپنے بھائی کے بیٹے نے آپ کے گھر کی عزت اچھالتے  
وقت ذرا نہیں سوچا۔ معلوم ہے کیوں..... کیونکہ  
اسے... اس نے انگلی سے زونا کی طرف اشارہ کیا۔